محمد اسحٰق بھٹی

امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے اثرات برصغیر میں

ایک مختصر جائزہ

امام ابن تیمیہ اپنے دودمانِ عالی کے سلسلۃ الذہب کی ایسی درخشندہ و تاباں کڑی ہیں جن کی ضیا پاشیاں افقِ عالم کو ہمیشہ منور رکھیں گی اور جن کے علم و ادراک کی فراوانیوں اور فضل و کمال کی وسعتوں سے کشورِ ذہن مصروفِ استفادہ اور اقلیم قلب مشغولِ استفاضہ رہیں گے ۔ ان کے جدِّ امجد شیخ مجد الدین کو حنابلہ کے ائمہ و اکابر میں گردانا جاتا تھا اور اہل علم کے ایک بہت بڑے حلقے نے ان کو مجتہد مطلق کے پرشکوہ لقب سے ملقب کیا ہے ۔ امام ذہبی جو فنِّ رجال کے مستند امام ہیں ، کتاب النبلاء میں ان کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں ۔

انتهت الیه الا مامة فی الفقه

کہ مسائل فقہ کے حل و کشور میں وہ مرتبۂ امامت پر فائز تھے ۔

امام تقی الدین ابن تیمیہ کی ولادت ایسے جلیل المرتبت خاندان میں ہوئی اور ایسے ماحول میں انھوں نے شعور کی آنکھیں کھولیں ، جہاں فضیلت و عرفان کا ہمہ گیر شامیانہ تنا ہوا تھا اور جہاں مجد و ذکاوت کی خوش گوار گھٹائیں چھائی ہوئی تھیں ۔

ابن تیمیہ نے ان ہی پاکیزہ فضاؤں میں پرورش وپرداخت کی منزلیں طے کیں اور پھر اسی گلستانِ فضیلت کی شمیم آرائیوں میں عہد طفولیت سے نکل کر دورِ شباب میں قدم زن ہوئے ۔ اب وہ جادۂ علم کے پُرعزم راہی تھے اور ان کی عزیمت و عظمت نے ان کو جامع الحیثیات شخصیت کے قالب میں ڈھال دیا تھا ۔ وہ بہ یک وقت عالم بھی تھے اور معلم بھی ، محقق

بھی تھے اور مصنف بھی ، مفسر بھی تھے اور محدث بھی،فقیہِ نکتہ وربھی تھے اور ماہرِ اصول بھی ، مجاھد بھی تھے اور مجتہد بھی ، مناظر بھی تھے اور جارح بھی ، حملہ آور بھی تھے اور مدافع بھی ، واعظِ شیریں بیاں بھی تھے اور مقررِ شعلہ مقال بھی ، مفتی بھی تھے اور ناقد بھی ، صوفی شب زندہ دار بھی تھے اور سالکِ عبادت گزار بھی ، منطقی بھی تھے اور فلسفی بھی ، ادیبِ حسین کلام بھی تھے اور شاعرِاعلٰی مزاق بھی ۔ جس طرح وہ کشورِ قلم و لسان کے شہسوار تھے ، اسی طرح اقلیم سیف و ستان پر بھی ان کا سکّہ رواں تھا اور ان سب کو ان کی اطاعت گزاری پر فخر تھا ۔ علوم ان کے سامنے قطار بنا کر کھڑے رہتے ، جب کسی موضوع پرگفتگوکرنا مقصود ہوتا تو متعلقہ علم اپنی ہمہ گیریوں کے ساتھ کورنش بجا کر ان کے حضور حاضر ہو جاتا اور جب کسی معاملے کو ضبطِ تحریر میں لانے کا قصد کرتے تو قلم نہایت تیزی کےساتھ صفحاتِ قرطاس پر حرکت کناں ہو جاتا اور پھر آناً فاناً علوم و فنون کی بارش شروع ہو جاتی اور پوری روانی کےساتھ مرتب شکل میں الفاظ کاغذ پر بکھرتے چلے جاتے ۔ وہ دجلہ و فرات کے سنگم میں پیدا ہوئے تھے اور ان دونوں دریاؤں کی روانی اور ان کی موجیں ان کے قلم و زبان میں سمٹ آئی تھیں ۔

جن حضرات کو امام کی تصنیفات و تحریرات سے براہِ استفادے کا موقع نہیں ملا ، ان کے سامنے امام کے مصنفانہ کمالات کی تصویر کشی مشکل ہے ۔ ہاں ۔ ! اگر آپ چند ثانیوں کیلئےعالمِ تصورمیں جانے کی سعی کریں تو آپ محسوس کریں گے کہ ان کے کلام میں دریا کی روانی ، آگ کے شعلے ، شیر کی گرج ، مجاہد کی یلغار ، فن کار کے نغموں کا اثر و سحر ، پھولوں کی نزاکت و مہک ، شاعر کے احساسات ، صوفی و عارف کا اخلاص اور محقق کی فیصلہ کن رائے ، وقار و تمکنت کے تمام لوازم کے ساتھ جمع ہیں ۔

اللہ تعالی نے ان کو اوائلِ شباب ہی میں ذہانت وفطانت اور جامعیت و بصیرت کی متاعِ گراں بہا سے نواز دیا تھا ۔ ان کے نامور شاگردِ رشید حافظ ابن کثیر ، اپنے اس استادِ

عالی قدر کے درسِ اوّل کا تذکرہ کرتے ہوئے البدایۃ والنہایۃ میں رقم طراز ہیں ـ

" وکان درساً ہائلاً ، و قد کتبہ الشیخ تاج الدین انقراری بخطہ لکثرۃ فوائدہ و کثرۃ ما استحسنہ الحاضرون و قد اطنب الحاضرون فی شکرہ علیٰ حداثۃ سنّہ و صغرہ ، فانہ کان عمرہ اذ ذاک عشرین سنۃ و سنتین ـ "

یعنی ابن تیمیہ کا پہلا درس ، ایک حیرت انگیز درس تھا ، جس کے کثرتِ فوائد اور لوگوں کی بدرجۂ غایت دلچسپی کی بنا پر ، شیخ تاج الدین فزاری نے قلم بند کیا ـ ابن تیمیہ کی کم عمری اور جوانی کے با وصف حاضرین نے اس درس کی بے حد تحسین کی اور دل کھول کر ان کو داد دی ـ اس وقت ان کی عمر صرف بائیس برس کی تھی ـ

بوقلموں فنون اور نوعِ بنوع علوم میں ان کی ہمہ گیری و ہمہ دانی کا یہ عالم تھا کہ ان کے اقران و معاصرین بھی اس کا اعتراف کرنے پر مجبور ہوئے ـ حالانکہ معاصرت ایک نہایت خطرناک زہر کی حیثیت رکھتی ہے اور یہ زہر جس کے ذہن و قلب میں داخل ہو جائے ، اسے احقاق حق اور اپنے معاصر کے بارے میں صدقِ مقال سے قطعی محروم کر دیتا ہے ـ لیکن امام ابن تیمیہ کے معاصرین نے ان کے علوم و معارف کی وسعتوں کا صاف لفظوں میں اقرار کیا ـ ان کے معروف حریف علامہ کمال الدین زملکانی تھے ، وہ امام سے گونا گوں اختلاف کے باوجود واضح پیرایۂ بیان میں ان کی تعریف کرتے ہیں ـ اس سلسلے میں " الکواکب الدریۃ فی مناقب الامام المجتہد شیخ الاسلام ابن تیمیہ " میں ان کے الفاظ لائق تذکرہ ہیں ـ وہ کہتے ہیں ـ

" قد الان اللّٰہ لہ العلوم کما الان لداو د الحدید ،کان اذا سئل عن فن من العلم ظن الرائی و السامع انہ لا یعرف غیر ذالک الفن و حکم ان احدا لا یعرفہ مثلہ ، وکان الفقہاء من سائر الطوائف اذا جلسوا معہ استفادوا فی مذاہبہم منہ مالم یکونوا عرفوہ قبل ذالک ـ یُعرف انہ ناظرا فانقطع منہ ولا تکلم فی علم من العلوم سواءٌ کان من علوم الشرع

اوغیر ھا الا فاق فیہ اھلہ والمنسو بین الیہ ، وکانت لہ الید الطولی فی حسن التصنیف۔"

یعنی اللہ نے ابن تیمیہ کے لیے تمام علوم کو اس طرح سہل اور آسان کر دیا تھا ، جس طرح حضرت داؤد علیہ السلام کے لیے لوھے کو نرم اور گداز فرما دیا تھا ۔ جس علم کے معتلق ان سے سوال کیا جاتا ، اس انداز سے جواب دیتے کہ دیکھنے اور سننے والا یہ خیال کرتا کہ اس فن کے سوا یہ اور کچھ نہیں جانتے اور دل میں یہ فیصلہ کرتا کہ کوئی اورشخص ان کی طرح اس فن میں عبور و مہارت نہیں رکھتا ۔ جب بھی کسی مذہب و فقہ کے شناور ان کی مجلس میں شریک ہوتے تو کوئی نہ کوئی ایسا نکتہ ان کے احاطۂ علم میں ضرور آتا جس کا اس سے پہلے انھیں علم نہ ہوتا تھا ۔ ایسا کبھی نہیں ہوا کہ انھوں نے کسی سے مجلسِ بحث و مناظرہ گرم کی ہو اور اس کے سامنے لاجواب ہو گئے ہوں ۔ جب بھی انھوں نے علومِ شرعیہ یا دیگر علوم کے بارے میں کوئی گفتگو کی تو ہمیشہ ان علوم کے ماہرین اور ان سے انتساب رکھنے والوں سے آگے کی بات کی ۔ تصنیف و تحریر میں انھیں مہارت تامہ حاصل تھی ۔

امام ابن تیمیہ فقہ میں حنبلی مکتبِ فکر سے تعلق رکھتے تھے اور مسائل فقہیہ کی تعبیر و تشریح کے باب میں عام طور پر ان کے سامنے فروعات و اجتہادات کا وھی ذخیرہ ھے ، جو حنبلی فقہا و ائمہ کی سعی و کوشش سے مرتب و مدوّن ہوا ۔ اس کی وجہ یہ ھے کہ ان کے نقطۂ نظر کے مطابق یہی وہ مدرسۂ فکر ھے جو براہِ راست کتاب و سنت اور تصریحات سلف کو اپنی آغوش میں لیے ہوئے ھے ۔ لیکن اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ وہ احناف و شوافع یا موالک کی فقہی کاوشوں سے نابلد ھیں یا اسے شائستۂ التفات ٹھہرانے سے گریزاں ھیں ۔ ان کا دامن علم و معرفت اس درجے کشادہ اور وسعت پذیر ھے کہ وہ تمام تہذیبی ذخائر اور فقہی خزائن اس کی لپیٹ میں آگئے ھیں ، جنھیں مختلف مکاتبِ فکر کے فقہا نے سینکڑوں برس کی محنت و کاوش سے جمع کیا اور نہایت قرینے اور سلیقے سے متونِ فقہ

میں ترتیب دیا ہے ۔ یہی وجہ ہے کہ جب وہ کسی فقہی مسئلے پر اظہار رائے کرتے ہیں تو اس جرأت و اعتماد کے ساتھ کرتے ہیں جو ایک امام فقہ اور مجتہد عصر کے لیے مخصوص ہے ۔

بہت سے فقہی مسائل میں انھوں نے عام فقہا کی روش سے ہٹ کر تفرد کی راہ اختیار کی اور ان کی تعبیر و ترجمانی میں اپنی بے پناہ علمی و فکری صلاحیتوں کا ثبوت بہم پہنچایا اور حقیقت یہ ہے کہ یہی جادۂ مستقیم تھا اور یہی راہِ صواب تھی اور اسی سے ان کے ژرف نگاہی اور ان کے علم و مطالعہ کے پھیلاؤ کا پتا چلتا ہے ۔

القول الجلی میں مرقوم ہے کہ ابو حیان جب پہلی مرتبہ امام کی خدمت میں گئے تو دورانِ گفتگو میں ان کی فراوانئی معلومات سے ورطۂ حیرت میں ڈوب گئے اور بے اختیار پکار اٹھے ۔

مارأت عینائی مثل ابن تیمیہ

میری آنکھوں نے آج تک ابن تیمیہ ایسا غیر معمولی انسان نہیں دیکھا ۔

پھر اسی صحبت میں فی البدیہ ان کی شان میں ایک قصیدۂ مدحیہ بھی کہہ ڈالا ۔ لیکن جب سلسلۂ کلام آگے بڑھا اور ایک نحوی مسئلے سے متعلق امام فن ابوحیان نے سیبویہ کا حوالہ دیا تو امام تیمیہ جوش میں آگئے اور کہا کہ قرآن مجید کے فہم و ترجمانی میں سیبویہ نے ۸۰ مقامات پر ٹھوکر کھائی ہے اور ادب و نحو کے بد یہی تقاضوں سے انحراف کیا ہے ۔ ابوحیان نے پیغمبر نحو کے بارے میں ابن تیمیہ کے یہ الفاظ سنے تو وہ ایک دم چکرائے اور ان کی ذہانت و ذکاوت پر حیران ہو کر رہ گئے ۔

قرآنِ مجید وہ افشردۂ نور اور سینۂ لاہوت کا وہ آخری راز ہے جو جبریل امین کی وساطت سے قلبِ رسول میں جاگزین ہوا، امام تیمیہؒ سے اس کو خاص تعلقِ خاطر اور انتہائی لگاؤ تھا اس کے مطالب و معانی کے عمق و گہرائی میں غوطہ زن ہونا اور گوہر مقصود کے حصول کے لیے تگ و تاز کرنا امام کا دلپسند مشغلہ تھا ۔ اللہ کے اس آخری بول کے تمام پہلوؤں

کو زاویۂ فکر میں لانے اور نطقِ جبریل کے ایک ایک قول کو حیطۂ فہم میں لانے کی غرض سے انھوں نے بہت سے تفسیری موادکو کھنگھالا اور اس سے مستفید ہوئے ۔ اس ضمن میں العقود الدریۃ میں ان کے اپنے الفاظ ملاحظہ ہوں ۔

" ربّما طالعت علی الاٰیۃ الواحدۃ نحو مائۃ تفسیر ، ثم اسئل اللّٰہ الفہم واقول یا معلم آدم وابراھیم علّمنی ، وکنت اذھب الی المساجد المھجورۃ و نحوھا و امرّغ و جبھی فی التراب ، واسئل اللّٰہ تعالی و اقول یا معلم ابن ابراھیم فھمنی ۔"

یعنی بعض اوقات ایک آیت کو سمجھنے کیلئے میں نے سو سو تفسیروں کا مطالعہ کیا ۔مطالعہ سے فارغ ہونے کے بعد اللّٰہ سے دعا کرتا کہ مجھے اس آیت کی سمجھ عطا فرما ۔ میں اللّٰہ سے دعاگو ہوتا کہ اے آدم و ابراھیم کے معلم ۔! مجھے علم کی نعمت سے مالا مال فرما ، میں آبادی کے ہنگاموں سے دور ویرانوں میں نکل جاتا اور غیر آباد مسجدوں میں جا بیٹھتا ، اپنی پیشانی خاک پر رگڑتا اور اللّٰہ سے التجا کرتا کہ اولادِ ابراھیم کو علم سکھانے والے،مجھے بھی فہم و ادراک کی دولت سے نواز ۔ !

امام ابن تیمیہ کو ہر گوشۂ علم پر کمان حاصل تھی ۔ وہ ہر فن میں امامت و اجتہاد کے مرتبے پر فائز تھے اوران کے فضل و کمال کی وسعتیں ہر میدانِ تحقیق کو اپنی لپیٹ میں لیے ہوئے تھیں ۔ ان کی اس عبقریت و نبوغت اور بےپناہ استحضار کا اظہار شیخ تقی الدین ابن دقیق العید نے ان نپے تلے الفاظ میں کیا ہے ۔

" العلوم کلھا بین عینیہ ، یأخذ منھا مایرید و یدع مایرید ۔"

تمام علوم متداولہ ان کی نگاہوں کی زد میں ہیں ، ان میں سے جس علم کو چاہتے ہیں لے لیتے ہیں اور جس کو چاہتے ہیں ناقابلِ التفات سمجھ کر چھوڑ دیتے ہیں ۔

اس امام عالی مقام کو اللّٰہ نے اس خصوصیت کبریٰ[1] سے نوازا ہے کہ وہ زیر بحث مسائل کی تہہ اور گہرائی تک

پہنچنے کے عادی ہیں اور جس معاملے پر قلم یا زبان کو حرکت دیتے ہیں ، اس میں پوری طرح ڈوب کر بات کرتے ہیں ۔

الکواکب الدریۃ میں ان کی اس کیفیت کا نقشہ ان پُرعظمت الفاظ میں کھینچا گیا ہے ۔

" کان ابن تیمیہ اذا شرع فی الدرس یفتح اللّٰہ علیہ اسرار العلوم و غوامض و لطائف و دقائق و فنون و نقول و استند لا لات بایات اللہ و احادیث و استشھادا باشعار العرب و ھو مع ذالک یجری کما یجری التیار و یفیض کما یفیض البحر ۔ "

یعنی ابن تیمیہ جب درس و کلام کا آغاز کرتے تو اللّٰہ ان کے لیے علوم کے اسرار و غوامض کے دروازے کھول دیتا اور لطائف و دقائق علمیہ اور نکاتِ فنون کے کواڑ ایک ایک کر کے ان کے سامنے وا کر دیتا ۔ ہر شے ان کی نگاہِ نکتہ بیں کا ہدف ہوتی ، اور وہ نہایت تیزی سے آیاتِ قرآن اور احادیث رسول سے استدلال اور ائمۂ فنون اور اشعارِ عرب سے استشہاد کرتے جاتے ۔ اور پھر اس قافلۂ شواہد و امثال کے جلو میں اس طرح چلتے کہ جیسے سیلاب امنڈا آ رہا ہے اور دریا موجیں مار رہا ہے ۔

ابن تیمیہ جہاں علومِ شرعیہ و نقلیہ میں عبورو استحضار اوردرکِ کامل رکھتے تھے ، وہاں فنونِ عقلیہ اور فلسفہ و منطق میں بھی وہ مرتبۂ کمال پر فائز تھے ۔ بلکہ کہنا چاہیے کہ وہ ان فنون کے ائمہ و اساتذہ میں ممتاز درجے کے مالک تھے اور ان کے تمام پہلوؤں کے حل و کشود کے باب میں وہ امامت و اجتہاد کی مسندِ علیا پر متمکن تھے ۔ اس مشکل ترین موضوع میں کسی کو اپنا حریف اور مدِّمقابل نہیں سمجھتے ۔ یہی وجہ ہے کہ انھوں نے ارسطو کی منطق کی برملا دھجیاں بکھیریں اور اس کی حکمت و دانش کے قصر رفیع کو دلائل قطعیہ کے زور سے زمین بوس کیا اور اس پر ایسے انداز سے کڑی اور چبھتی ہوئی تنقید کی ، جو کثرتِ معلومات کی روشنی میں وہی کر سکتے تھے،دوسرا کوئی نہیں کر سکتا تھا۔

لیکن یہاں یہ یاد رہے کہ انھوں نے ارسطو یا دیگر

فلاسفہ و منطقیین کو جس مسئلے میں ہدفِ تنقید اور نشانۂ اعتراض ٹھہرایا ہے وہ مسئلۂ الٰہیات ہے ۔ منطق و حکمت کے باقی مسائل میں وہ اصحابِ حکمت و دانش کی تعبیر و تشریح کو قرینِ صحت قرار دیتے ہیں ۔ چنانچہ ایک جگہ لکھتے ہیں ۔

" نعم لھم فی الطبعیات کلام غالبہ جیّد و ھو کلام کثیر واسع ، ولھم عقول عرفوا بھا ذالک و ھم قد یقصدون الحق لا یظھر علیھم العناد " ۔

یعنی فلاسفہ نے طبعیات سے متعلق جو بحث کی ہے ،اس کا زیادہ تر حصّہ عمدہ ہے اور بڑی وسعت و تفصیل پر محیط ہے ۔ ان مباحث کو احاطۂ فہم اور دائرۂ علم میں لانے کے بارےمیں یہ لوگ زرخیز ذہن و دماغ کے مالک ہیں ۔ بہت سے امور میں وہ حقیقت و صداقت کے متلاشی ہیں اورضد و عناد سے انھیں کوئی سروکار نہیں ۔

سورۂ اخلاص کی تفسیر میں بھی طبعیات سے متعلق وہ فلاسفہ و حکمائے یونان کی معرکہ آرائیوں کا ذکر کرتے ہیں اور اس ضمن میں ان کی جودتِ طبع اور رسائی فہم کو واضح الفاظ میں خراجِ تحسین پیش کرتے ہیں ۔ لکھتے ہیں ۔

" لکن لھم معرفة جیدة بالا مور الطبعیة و ھزالجر علحھم ولہ تفرغوا و فیہ ضیعوا زمانھم " ۔

یعنی امور طبعیہ میں انھیں خوب دسترس حاصل ہے۔ کیوں نہ ہو ، یہی ان کا میدانِ فکر اور موضوعِ خاص ہے اور اسی پر بحث و غور میں انھوں نے عمریں کھپائی ہیں ۔

طبعیات کے متعلق فلاسفہ نے جو کارہائے نمایاں انجام دیے ہیں اور اسکےبرعکس الٰھیات کے سلسلے میں جو ٹھوکر کھائی ہے ، اس کی تفصیل امام ابن تیمیہ نے اپنی متعدد تصنیفات میں بیان کی ہے ۔ ایک جگہ ان مسائل کے بارے میں ان کے دائرۂ فکر کے درمیان خطِ امتیاز کھینچتے ہوئےفرماتے ہیں ۔

" للمتفلسفة فی الطبعیات خوض و تفصیل تمیزوا بہ بخلاف الا لھیات فانھم من اجھل الناس بھا وابعد ھم من معرفة الحق فیھا ، و کلام ارسطو معلھم فیھا قلیل کثیر الخطاء ۔"

مسائلِ فلسفہ کو حزرِ جان بنانے والے لوگ امور طبعیہ میں تو خوب غوروخوض کرتے ہیں اور اس موضوع کی تفصیلات معرضِ بیان میں لانے میں ید طولی رکھتے ہیں ، اور بلاشبہ اس میں وہ ممتاز درجے کے حامل ہیں ، لیکن اس کے برخلاف الہیات کے بارے میں جاہلِ مطلق اور جادۂ حق سے ہٹے ہوئے ہیں ۔ اس ضمن میں ان کے استاد و معلم ارسطو سے جو کچھ منقول ہے وہ اگرچہ بہت کم ہے، تاہم اغلاط و خطا سے پُر ہے ۔

امام ابن تیمیہ کا کہنا ہے کہ خود فلسفۂ یونان کے اساطین و ماہرین اس حقیقت کا اعتراف کرتے ہیں کہ علوم الہیہ کے بارے میں ان کا دائرۂ علم بہت محدود اور سمٹا ہوا ہے۔ ان مسائل کے متعلق وہ جو کچھ کہتے ہیں اصل حقیقت اس سے لازماً متصادم ہوگی اس کی کنہ تک پہنچنے کے تقاضے ہمارے نقطۂ فکر سے بہت حد تک مختلف ہوں گے اور یقینیات کی حدوں تک رسائی کے ذرائع ان امور کے طالب ہوں گے ، جو ہماری نظر و بصر کے دوائر سے اوجھل ہیں ۔

یہ موضوع جہاں بے حد دلچسپ اور لائق اعتنا ہے ، وہاں اس کی تفصیلات انتہائی دقیق فنی نوعیت کے مباحث کو اپنے اندر سمیٹے ہوئے ہیں ۔ عرض کرنے کا مقصد صرف یہ ہے کہ امام تیمیہ حکمت و دانش اور فلسفہ و منطق پر معترض نہیں ۔ وہ بطور علم کے اس کے حصول کو ضروری قرار دیتے ہیں ۔ اگر اس علم کو حاصل کرنا غلط یا خلافِ شرع ہوتا تو وہ خود اسے کیوں حاصل کرتے ۔ اس میں ان کے نزدیک جو باتیں جادۂ صواب سے ہٹا کر راہِ خطا پر لے جانے کا باعث بنتی ہیں ، وہ غلط ہیں اور ان سے آگاہ ہونا ضروری ہے ۔ فلسفہ و حکمت کا وہ حصّہ جو الہیات کے واضح اور دوٹوک مسئلے میں تشکیک و ارتیاب کے دروازے کھولتا اور انسان کو الحاد و زندقہ کی وادی میں دھکیلتا ہے ، اسے کوئی صحیح العقیدہ شخص ایک لمحے کے لیے بھی ماننے کو تیار نہیں ہوسکتا ۔ ہمارے لیے قابلِ عمل اور شائستۂ التفات کتاب و سنت اور مسلکِ اسلاف ہے ۔ فلسفہ اور حکمت کا جو حصّہ اس سے متصادم ہوگا ، وہ ہرگز تسلیم نہیں کیا جائے گا ۔ اس ضمن میں ہم ابن تیمیہ سے ہم آہنگ ہو کر

ظفر علی خاں کے الفاظ میں کہیں گے کہ :

ارسطو کی حکمت ہے یثرب کی لونڈی
فلاطوں ہے طفلِ دبستانِ احمد

ابن تیمیہ نے شیخ محی الدین ابن عربی کے افکار و تصورات اور ان کے نظریۂ وحدۃ الوجود کو بھی موضوعِ بحث ٹھہرایا ہے ، لیکن وہ ابن عربی اور اس دور کے وحدۃ الوجود کے دیگر مدعیوں کو دو الگ الگ خانوں میں تقسیم کرتے ہیں ۔ جلاء العینین میں ابن عربی کے بارے میں ان کے ایک خط کے یہ الفاظ لائق ملاحظہ ہیں ۔

"لکن ابن العربی اقربهم الی الاسلام و احسن کلاما فی مواضع کثیرة ،فانه یفرق بین المظاهر والظاهر ، فیقر الامر والنهی والشرائع علی ماهی علیه ۔ ویأمر بالسلوک بکثیر مما امر به المشائخ من الاخلاق والعبادات و لهذا اکثیر من العبّاد یاخذون من کلامه سلوکهم فینتفعون بذالک وان کانوا لایفقهون حقائقه ، ومن فهمها منهم و وافقه فقد تبین قوله"

یعنی ابن عربی ، دوسرے مدعیانِ وحدت الوجود میں سے اسلام سے قریب تر ہیں اور ان کا کلام بہت سے مقامات سے متعلق بہت بہتر ہے ۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ مظاہر اور ظاہر کے درمیان فرق کے قائل ہیں ۔ امرونہی اور الہام و شرائع کو اپنی جگہ پر رکھتے ہیں ۔ مشائخ نے جن اخلاق و عبادات پر عمل کی تاکید فرمائی ہے ، ان کو اختیار کرنے کی تلقین و تاکید کرتے ہیں ۔ لہذا بہت سے عبادت گزار لوگ ان کے کلام سے اخذِ سلوک کرتے اور اس سے روحانی فائدہ حاصل کرتے ہیں ، اگرچہ وہ ان کے حقائق و معارف کو اچھی طرح نہیں سمجھتے ۔ ان میں جو لوگ ان حقائق کا ادراک کر لیتے ہیں اور پھر ان کی موافقت کرتے ہیں ، ان پر ان کے کلام کی حقیقت واضح ہو جاتی ہے ۔

جلاء العینین کے اسی مقام پر ابن عربی کے بعض اقوال نقل کر کے لکھتے ہیں ۔

" وهذه المعانی کلها هی قول صاحب الفصوص واللّٰه تعالی اعلم بمامات الرجل علیه ، واللّٰه یغفر لجمیع المسلمین

و المسلمات و المؤمنین و المؤمنات الاحیاء منهم و الا موات ۔
ربنا اغفر لنا ولا خواننا الذین سبقونا بالایمان و لا تجعل
فی قلوبنا غلاً للذین امنوا ربنا انک رؤف رحیم ۔ "

یہ سب صاحبِ فصوص الحکم کے اقوال ہیں ۔ اللہ تعالیٰ ہی کو علم ہے کہ ان کا خاتمہ کس چیز پر ہوا ۔ اللہ تعالیٰ تمام مسلمان مردوں اور عورتوں ، زندہ اور مُردوں کی مغفرت فرمائے ۔ اے ہمارے پروردگار ! ہماری اور ہمارے ان بھائیوں کی مغفرت فرما دے جو ہم سے پہلے ایمان کے ساتھ اس دنیا سے چلے گئے ، اور ہمارے دلوں میں اہل ایمان کے متعلق کھوٹ نہ رکھ ۔ اے ہمارے پروردگار ۔ ! تو بڑا ہی شفقت والا اور بہت ہی مہربان ہے ۔

امام ابن تیمیہ ہمہ جہت شخصیت کے مالک تھے اور اپنے دور پُرآشوب کے بہت بڑے صوفی اور عارف باللہ بھی تھے ، بلکہ کہنا چاہیے کہ تصوف و عرفان ان کے نفسِ ذکیہ کا لازمی جز تھا ۔ ابن تیمیہ سے متعلق تصوف کا لفظ سن کر متعجب اور حیرت زدہ ہونے کی ضرورت نہیں ۔ اس لیے کہ اس کا اظہار ان کی تصنیفات سے بھی ہوتا ہے اور اس کی صراحت ان کے رمز شناس اور شب و روز کے راز دان شاگرد امام ابن قیم نے بھی مدراج السالکین میں کی ہے ۔ یہ ان کے چہیتے تلمیذ تھے اور انھوں نے جس حسنِ سلوک اور دلنشین لب و لہجے سے اپنے عالی مرتبت استاد کے تصوف و عرفان کا ذکر کیا ہے وہ ہر اعتبار سے لائق اعتنا ہے ۔ اس دلآویز اور روح پرور موضوع کے لیے خود امام ابن تیمیہ اور ان کے عظیم القدر شاگرد امام ابن قیم کی تحریریں پڑھنی چاہییں ۔ یہ ان کی حیاتِ طیبہ کا ایک مستقل عنوان ہے ۔

تصوف و عرفان اس لئے باعثِ کشش ہے کہ اس سے رسوم و شرائع کی باطنی کیفیات اجاگر ہوتی ہیں اور عابد کی مملکتِ قلب میں للّٰہیت اور خدا ترسی کے پاکیزہ جذبات ابھرتے ہیں ۔ جب اس کے نہاں خانۂ دل میں نرمی اور گداز کے عواطف کروٹ لیتے ہیں تو انقلاب و تغیّر کی ایک ایسی لہر اٹھتی ہے جس سے ایک صوفی اور عارف ہی لطف اندوز ہو سکتا ہے ۔

بزرگانِ دین کے نقطۂ نظر سے تصوف عطر دین اور روحِ عبادت سے تعبیر ہے ۔

امام ابن تیمیہ نے جن صوفیا کی مخالفت کی ہے اور جس تصوف کے خلاف قلمی اور فکری محاذ قائم کیا ہے وہ چمٹا بردار اور دھونی رمانے والے اور وہ لوگ تھے جو اپنے جسموں پر مختلف قسم کے مسالے مل کر آگ میں کود جاتے تھے اور تصوف کے نام سے شعبدہ بازی کرتے تھے ۔ امام نے ان کے ٹھکانوں میں پہنچ کر ان کا مقابلہ کیا اور بعض لوگوں کو چیلنج دیا کہ وہ غسل کر کے آئیں ، میں بھی غسل کر کے آتا ہوں ، ہم دونوں ایک ساتھ آگ کے الاؤ میں کودیں گے اور پھر دیکھیں گے کہ آگ کی حدت اور تپش کس کو اپنی لپیٹ میں لیتی اور بھسم کرتی ہے ۔ لیکن اس قسم کا کوئی شعبدہ باز امام عالی مقام کے اس چیلنج کو قبول کرنے کی جرأت نہ کر سکا ۔ اس نوع کے متعدد واقعات ان کے حالات میں مرقوم ہیں ۔

یہاں یہ بھی عرض کر دوں کہ ہندوستان میں بھی امام ابن تیمیہ کے ساغرِ عرفان کے چھینٹے پڑے اور انھوں نے مئے توحید کے جو خم کے خم لنڈھائے تھے ، کفرستانِ ہند کے باشندے بھی ان سے جی بھر کر سیراب ہوئے اور اس کی سرشاری و سرمستی سے ان کے ظاہر و باطن کی دنیا بدلی ۔

شاہِ ہند علاء الدین خلجی کے عہد میں امام کے ایک قابلِ فخر شاگرد عبدالعزیز اردبیلی یہاں آئے ، جن کی صحبتوں سے خود بادشاہ بھی متاثر ہوا اور اس کے امرائے دربار کے بہت سے لوگوں کی ذہنی کایا پلٹ ہوئی ۔

محمد تغلق بادشاہ کے دور میں بھی امام کے بعض فیض یافتہ علما و مشائخ نے قصدِ ہند کیا اور خود بادشاہ کے سامنے تبلیغِ دین اور ترویجِ احکامِ اسلامی کا فریضہ انجام دیا ، جس کے انتہائی خوش گوار نتائج مرتب ہوئے ۔

دیارِ ہند میں امام ابن تیمیہ اور امام ابن قیم کی قلمی کتابیں سب سے پہلے یہاں ایک جلیل القدر صوفی بزرگ حضرت عبداللہ غزنوی کی تحریک پر آئیں ۔ وہ کتابیں ان کے صاحب زادگانِ گرامی قدر مولانا محمد ، مولانا عبدالجبار ،

مولانا عبدالغفور غزنوی وغیرہ نے شائع کیں ۔امام ابن تیمیہ کی ان کتابوں کی تعداد جو حضرات غزاونہ کی سعی و کوشش سے امرتسر ، لاھور اور دھلی میں زیور طبع سے آراستہ ھوئیں ، دس تک پہنچتی ھے ۔امام ابن قیّم کی کتابیں اس کے علاوہ ھیں ۔

اس برصغیر میں سب سے پہلے امام ابن تیمیہؒ اور ان کی شخصیت سے متعلق نواب محمد صدیق حسنؒ خان والی بھوپال نے اظہار خیال کیا ۔ اس کے بعد دارالعلوم ندوۃ العلما لکھنؤ کے مجلہ " الندوہ " میں مولانا شبلیؒ نے مفصل مضمون لکھا ۔ پھر مولانا ابوالکلامؒ آزاد نے اپنے علمی شاہکار " تذکرہ " میں امام کی مساعی کا اپنے انداز خاص میں ذکر کیا ۔

۱۹۲۵ء میں امام کے حالات میں اردو میں اوّلین کتاب " سیرتِ ابن تیمیہ " مولانا غلام رسول مہر نے لکھی جو الہلال بک ایجنسی محلہ فاروق گنج لاھور کے مالک مولوی عبدالعزیز آفندی مرحوم نے شائع کی ۔

امام کی کتابوں کے اردو تراجم کا سلسلہ بھی اسی صوفی مزاج اوردرویش منش بزرگ عبدالعزیز آفندی نےشروع کیا تھا ۔

مکتبہ سلفیہ لاھور نے یہ گراں قدر خدمت انجام دی کہ مصر کے ممتاز محقق ابو زھرہ کی ضخیم عربی کتاب " امام ابن تیمیہ " کا سیّد رئیس احمد جعفری مرحوم سے ترجمہ کرایا اور حضرت مولانا عطاءاللّٰہ حنیف نے پُراز معلومات حواشی کے ساتھ اسے شائع کیا ۔

مولانا سیّد ابوالحسن علی ندوی نے اپنے سلسلۂ "دعوت و عزیمت " کا ایک حصّہ امام ابن تیمیہؒ اور ان کی علمی وفکری مساعی کے لیے وقف کیا ۔ بلاشبہ ان کا یہ بہت بڑا کارنامہ ھے اور اپنے نہجِ خاص کی یہ بہترین کتاب ھے ۔

عقلیات ابن تیمیہ کے نام سے مولانا محمد حنیفؒ ندوی نے پانچ سو سے زائد صفحات پر محیط کتاب تصنیف کی ۔ اس میں امام کے فلسفہ و دانش اور منطق و حکمت پر بحث کی گئی ھے ۔ مولانا کا اپنا اسلوبِ نگارش تھا جو انھی کے لیےمخصوص تھا ۔ مولانا کا کمال یہ ھے کہ انھوں نے فلسفے کے دقیق

اور پُر پیچ مسائل کو ادب کے سانچے میں ڈھال دیا ہے ۔ ان کا یہ وہ کارنامہ ہے جو اور کوئی انجام نہ دے سکتا تھا ۔ یہ کتاب ادارہ ثقافتِ اسلامیہ ، لاہور کی طرف سے طبع ہوئی ۔

مولانا ندوی نے ابن تیمیہؒ کے آثارِ قلم کی تعداد پانچ سو بتائی ہے ۔ لیکن ایک اور محقق نے تین سو اور دوسرے نے ان کی تعداد ایک ہزار تک بیان کی ہے ۔

بہت عرصہ پیشتر سیرت ابن تیمیہ کے نام سے ہندوستان کے ایک صاحبِ قلم پروفیسر محمد یوسف کوکن نے کتاب سپردِقلم کی تھی جو بلاشبہ لائقِ استفادہ ہے ۔

ابن تیمیہ پر مزید کام کرنے کی ضرورت ہے ۔ ہاتھی کو ٹٹول کر اس کی شناخت کرنے والوں کی طرح صرف یہی نہیں دیکھنا چاہیے کہ ابن تیمیہ نے چونکہ غلط کردار صوفیا کی مخالفت کی ہے ، اس لیے ان کی تحریروں میں تصوف کی مخالفت ہی بھری پڑی ہے ۔ وہ علمی اعتبار سے پہلودار شخصیت کے مالک تھے ۔ ان کے ہر پہلو پر کام ہونا چاہیے ۔